اسلامی تمدّن

(۳)

جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

اس بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام نے جن جانوروں کو حلال بتا کر "طیبات" میں داخل کیا ہی ان کے کھانے کے لئے بھی یہ شرط قرار دی ہے کہ ان کا خون نکالدیا جائے اس لئے کہ وہ ناپاک ہے لہذا اس کے لئے "ذبح یا نحر" ضروری ہے۔[1]

یعنی وہ حیوان کے جسم سے خون نکال دینے کی صرف ایک ہی صورت کو قبول کرتا ہے اور دوسری صورتوں کو صحیح نہیں تسلیم کرتا. مثلاً جھٹکہ کے ذریعہ بھی خون نکالا جاتا ہے مگر اسلام کے نزدیک یہ طریقہ صحیح نہیں ہی اور یہ اس لئے کہ اگرچہ انسان کی فطری غذاؤں میں گوشت شامل ہے اور اس لئے وہ بعض حیوانات کا گوشت استعمال کرتا بھی ہے لیکن اس کے ذی عقل اور صاحب اخلاق ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گوشت حاصل کرنے کے لئے جانوروں کو اس طرح قتل کرے کہ ان کو کم سے کم تکلیف پہنچے. کیونکہ حیوانات میں اگرچہ "روحِ ناطقہ" نہیں مگر "روح حیوانی" (جان) موجود ہے۔

اور یہ بات تجربہ اور مشاہدہ میں آچکی ہے کہ حیوانات کے قتل کرنے کے مختلف طریقوں میں سے سب سے کم تکلیف دہ طریقہ کہ جس سے اس کی جان (نسمہ) بآسانی نکل جائے "ذبح و نحر" کا طریقہ ہے لہذا اسلام نے

---

[1] "ذبح" شہ رگ اور دائیں بائیں دونوں رگوں (ودجین) کو کاٹ کر خون نکالدینے کو کہتے ہیں اور اونٹ چونکہ لانبی گردن رکھتا ہے اس لئے اس کو (لبہ اور گلا) دو جگہ سے کاٹنے کا نام "نحر" ہے۔

صرف اسی ایک طریقہ کو جائز رکھا اور باقی طریقوں کو ممنوع قرار دے کر ان کے ذریعہ سے مارے ہوئے جانوروں کو حرام کر دیا۔ لہٰذا جس طرح گردن مروڑا ہوا جانور حرام ہے اور اسلامی تمدن میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں اسی طرح جھٹکا بھی ممنوع اور حرام ہے۔ اور ذبح کے اہم شرائط میں سے یہ بھی شرط ہے کہ اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جائے یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے ذبح ہونا چاہئے سلہ

(ط) خورونوش کے لئے ان اشیاء کا استعمال بھی ممنوع ہے جن میں کیڑے پیدا ہو جائیں یا جو سڑ کر بودار ہو جائیں کیونکہ ایسی اشیاء کے استعمال سے قوٰی اور بدنِ انسانی کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور اس کی اخلاقی اور روحانی کیفیات میں تکدر پیدا ہو جاتا ہے اسی لئے طبع سلیم اس سے گھن کرتی اور نفرت کھاتی ہے۔ پس وہ شے "طیب" سے نکل کر "خبیث" بن جاتی ہے۔

(ی) مسطورہ بالا اصول کے پیشِ نظر جن حیوانات کا گوشت حلال ہے ان ہی کا دودھ بھی خورو نوش کے لئے درست ہے اور جن حیوانات کا گوشت ممنوع ہے ان کا دودھ بھی کھانا پینا ناجائز ہے سلہ

یہی وہ اصول ہیں جن کو علماء اسلام نے قرآن عزیز کی آیات ذیل اور صحیح احادیث سے اخذ کر کے اسلامی تمدن کے زیر بحث شعبہ کو روشن کیا ہے۔

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر — اللہ نے تو تم پر حرام کیا ہے مردار کو اور خون (جو بہتا ہوا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اور اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو بھی جو

سلہ ضرورت اور خاص صورتوں میں بسم اللہ اللہ اکبر کہکر تیر یا کلب معلم سے شکار قانون کی مستثنیات میں سے ہیں اور ان کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں درج ہیں۔

سلہ مسطورہ بالا دفعات اصل قانون ہیں لیکن بعض مخصوص حالات میں ان دفعات قانونی کی مستثنیات بھی ہیں جن کو ضرورت اور مصلحت عامہ کے پیشِ نظر جائز قرار دیا جاتا ہے اس لئے ان کو قانون نہیں کہا جائیگا۔ مثلاً جان کی ہلاکت یا مہلک مرض کی حالت میں چند شرائط کے ساتھ جو کہ فقہ میں مذکور ہیں بعض محرمات کے خورونوش کی گنجائش اور رخصت دیجاتی ہے یا مثلاً بعض اسلامی اجتماعی مصالح یا عامۂ مسلمین کی مصالح کے پیش نظر بعض حلال اشیاء کے جواز استعمال پر اعتقاد رکھتے ہوئے برضا و رغبت ان کے ترک کر دینے کی رخصت نکلتی ہے۔

وما اهل به لغير الله (الآيہ) (بقرہ)۔	بہ نیت تقرب وثواب غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو۔
حرمت عليكم الميتة والدم ولحم	تم پر حرام کر دیا گیا مردار جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت
الخنزير وما اهل لغير الله به و	اور وہ جانور جو تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے نامزد کر دیا
المنخنقة والموقوذة والمتردية	گیا ہو۔ اور گلا گھٹا ہوا جانور یا گر کر مرا ہوا، یا سینگ سے
والنطيحة وما اكل السبع الا ما ذكيتم	مارا ہوا یا درندہ کا پھاڑا ہوا مگر وہ جائز ہے جو تم نے ذبح کر لیا
وما ذبح على النصب۔ الآيہ (مائدہ)	اور وہ بھی حرام ہے جو ذبح کیا گیا ہو کسی (بت کے) تھان پر۔
قل لا اجد في ما اوحي الي محرما	تم کہدو جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے
على طاعم يطعمه الا ان يكون	ہیں ان میں تو میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی غذا
ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير	حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ جانور مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو
فانه رجس او فسقا اهل لغير الله	یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو جانور
به۔ (الآيہ) (انعام)	(شرک کا ذریعہ ہو) کہ غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو۔
عن ابن عباس قال كان اهل	حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا اہلِ
الجاهلية ياكلون اشياء ويتركون	جاہلیت کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ نہیں کھاتے تھے اور
اشياء تقذرا فبعث الله نبيه	گھن کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
صلى الله عليه وسلم وانزل كتابه و	کو مبعوث فرمایا (رسول بنا کر بھیجا) اور اپنی کتاب (قرآن)
احل حلاله وحرم حرامه فما	نازل فرمائی اور حلال ہونے کے قابل چیزوں کو حلال کیا
احل فهو حلال وما حرم فهو	اور حرام ہونے کے قابل چیزوں کو حرام۔ پس جس شے کو
حرام وما سكت عنه فهو عفو۔ قل	اس نے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس کو حرام کر دیا وہ
لا اجد فيما اوحي الي محرما على	حرام ہے اور جس کے متعلق سکوت فرمایا اس کا

طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃً (الآیہ) (ابوداؤد) - استعمال قابل معافی ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً" الآیہ

کلوا من طیبات ما رزقناکم تم کھاؤ پاک چیزوں میں سے وہ جو ہم نے تم کو رزق بنا کر دی ہیں۔

(۳) حیوانات کے علاوہ اشیاء خور و نوش میں وہ چیزیں بھی ممنوع ہیں جن کے استعمال کرنے سے عقل و خرد پر برا اثر پڑتا ہو یعنی وہ مدہوش کر کے عقل کو مستور کر دیتی ہوں یا کم از کم حواس پر اثر ڈال کر عقل کو مکدر بنا دیتی ہوں۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر جو شرف عطا فرمایا ہے اس کی وجہ عقل و خرد کی یہی دولت ہے جو اس کے اندر ودیعت کی گئی ہے لہذا جو شے بھی عقل کو فاسد کرنے کا باعث بنتی ہو وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا جائے۔

مسکرات خصوصاً شراب کے استعمال کا وہ درجہ جو مدہوش کر کے انسان کی عقل کو فاسد بنا تا اور بہیمانہ اعمال اور طفلانہ و سوقیانہ حرکات پر آمادہ کر دیتا ہو وہ حکمتِ طبیہ اور حکمتِ علمیہ و اخلاقیہ (حکمت ملیہ) دونوں کی نگاہ میں باتفاق ممنوع اور مذموم ہے اور تمام مذاہب و ملل اس کو قابلِ ممانعت سمجھتے ہیں۔ البتہ اعتدال کے ساتھ قلیل مقدار میں ان کا استعمال حکمتِ طبیہ کے نزدیک مفید اور مقوی بدن ہے مگر حکمتِ ملیہ (حکمتِ اخلاقیہ) کے نزدیک یہ درجہ بھی ممنوع الاستعمال ہے۔ اس لئے کہ وہ اگرچہ بدن کی طاقت بڑھانے میں معین و مددگار ہو مگر اخلاق فاضلہ اور ملکات روحانیہ میں فساد پیدا کرتا ہے اور قوت بہیمیہ میں آہستہ آہستہ ہیجان پیدا کر کے ملکوتی صفات اور روحانی و اخلاقی ملکات سے دور کرتا رہتا ہے اور جو شے نفسِ انسانی میں بہیمیت کو ترقی دے کر اس کے ملکات کو فاسد کرتی ہو اور کسی نہ کسی درجہ میں عقل کے لئے تکدر کا باعث بنتی ہو تو بلاشبہ دینِ فطرت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حکمتِ ملیہ (حکمت اخلاقیہ عملیہ) کا اساسی نظریہ یہ ہے کہ حیاتِ انسانی کا مقصد حیوانات کی طرح بدن کو فربہ اور قوی بنانا نہیں ہے بلکہ ملکات فاضلہ اور اخلاقِ کاملہ حاصل کر کے خالقِ کائنات کے ساتھ

قربت ووصل حاصل کرتا ہے اور قوتِ بدن اس کے مختلف اہم اسباب ووسائل میں سے ایک معمولی وسیلہ ہے لہٰذا اس کی رعایت بھی اسی حد تک ملحوظ ہو سکتی ہے جس حد تک وہ خود مقصد نہ بن جائے یا وسیلہ بننے کی جگہ تکدر کا باعث ہو کر رکاوٹ نہ بن جائے۔

پس اگرچہ حکمتِ ملیہ (حکمتِ اخلاقیہ) اکثر حالات میں حکمتِ طبیہ کے ساتھ اتفاق کرتی اور صحتِ انسانی کے لئے اس کے تجربات کو مفید جانتی ہے تاہم جن خاص صورتوں میں اس کے اور حکمتِ طبیہ کے درمیان مزاحمت اور تصادم پیدا ہو جاتا ہو ان میں حکمتِ طبیہ کو نظر انداز کر کے حکمتِ ملیہ ہی کو "امام" تسلیم کرنا چاہیئے تاکہ حتی الامکان انسانیت بہیمیت کے خواص سے دور اور ملکوتی خواص اور اخلاقی و روحانی ملکات سے قریب تر رہے۔

چنانچہ قرآنِ عزیز نے جو کہ حکمتِ اخلاقیۂ عملیہ (حکمت ملیہ) کا "امام اکبر" ہے متعدد آیات میں شراب (خمر) اور مسکرات کے متعلق مسطورہ بالا حقائق کو بہ حُسنِ اعجاز بیان کر دیا ہے۔ اس نے کہا کہ شراب (خمر) ایسی شے ہے جو عقلِ انسانی کو فاسد کر کے شیطانی خواص (بہیمانہ اعمال و فحش حرکات) کا سبب بنتی ہے اور شیطان جو کہ رذائل اور فواحش کا سرچشمہ ہے، بلاشبہ انسان کی "انسانیت" کا دشمن ہے اور وہ شراب کے ذریعہ خالقِ کائنات اور اس کے درمیان ربط و علاقہ قطع کرتا ہے اور تمہارے ملکوتی اخلاق اور ملکات فاضلہ کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔

انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون (مائدہ)	یقیناً شیطان ارادہ کئے ہوئے ہے کہ تمہارے درمیان بغض اور دشمنی (کی مذموم صفات) شراب اور قمار کے ذریعہ ڈالدے اور تم کو اللہ کے ذکر سے روک دے اور نماز سے بھی پس کیا تم اس (شراب خوری) سے رک جانے والے ہو؟۔

اور پھر یہ کہا کہ اس سے انکار نہیں کہ اس میں بعض طبی فوائد بھی ہیں مگر اس کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہے اور کائنات کی ہر شے میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور مضمر ہوتا ہے انسان کے لئے از بس ضروری ہے کہ وہ اسی شے کو استعمال کرے جو ہر حیثیت سے مفید ہو یا جس کا فائدہ اس کے نقصان سے زیادہ ہو اور جس شے کا نقصان

اس کے فائدہ سے زیادہ ہو اس کو ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے شراب اور قمار کے متعلق دریافت
قل فیہما اثم کبیر ومنافع	کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑی قباحت ہے
للناس واثمہما اکبر من	اور لوگوں کے لئے منافع بھی اور ان کی برائی اور ان کا نقصان
نفعہما (بقرہ)	ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

اور ان دونوں حقیقتوں کے واشگاف کردینے کے بعد آخر میں اس نے یہ فیصلہ دیا۔

انما الخمر والمیسر والانصاب	یقیناً شراب، قمار، بت اور پانسے ناپاک
والازلام رجس من عمل	ہیں۔ کارِ شیطان سے ہیں۔ پس ان سے
الشیطان فاجتنبوہ (مائدہ)	بچو۔

اصولِ موضوعہ | اشیاءِ خورونوش کی حلت وحرمت کے علاوہ زیرِ بحث عنوان کے ماتحت اسلام نے اور بھی چند اصول بیان کئے ہیں جن کا لحاظ رکھنا ہر حالت میں واجب ہے۔

(۱) جو چیزیں قابلِ استعمال ہیں وہ ہر ایک ہاتھ میں پاک ہیں بشرطیکہ اس ہاتھ میں کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو دوسرے لفظوں میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسلام "چھوت اچھوت" کو تسلیم نہیں کرتا اور اس عقیدہ کو مہمل اور لغو شمار کرتا ہے اور ان دلائل کے پیش نظر جو "عام اصول واحکام" کی بحث میں ہم ذکر کر آئے ہیں۔ اس کو باطل قرار دیتا ہے۔

ممکن ہے کہ اس موقعہ پر آیت "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا مشرکین ناپاک ہیں پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں" کو پیش کرکے مشرکین سے "چھوت" کے ضروری ہونے پر استدلال کیا جائے تو یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ مشرکین کی اس نجاست سے نجاست بدن مراد نہیں ہے بلکہ نجاست روحانی (شرک) مراد ہے چنانچہ حافظ عماد الدین بن کثیرؒ نقل فرماتے ہیں۔

فالجمهور علیٰ انه لیس بنجس البدن والذات لان الله تعالیٰ احل طعام اهل الکتاب الخ[1] جمہور اہل اسلام اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مشرک کی نجاست سے نجاستِ بدن و شخص مراد نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب (نصاریٰ و یہود) کا کھانا حلال فرمایا ہے۔

اور خود قرآنِ عزیز کی آیت زیرِ بحث کا سیاق و سباق بھی اسی کو ظاہر کرتا ہے اس لئے کہ جب ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو اگرچہ کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کو اصنام سے پاک کر دیا گیا لیکن قبائلِ عرب کے مشرکین ابھی تک اپنے عقیدہ کے مطابق حج کرنے آتے رہے لیکن خدائے تعالیٰ اس مرکزِ توحید کو ہر قسم کی مشرکانہ تلویث سے پاک رکھنا چاہتا تھا اس لئے ۹ھ ہجری میں یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرکین نجس ہیں لہذا یہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" پس اس سے قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کر دیا تو مسجد حرام میں مشرکانہ رسوم و عوائد میں سے کسی بھی قسم کی تلویث نہ ہونی چاہئے اور اس کو خدائے وحدہ کا مرکزِ توحید ہی باقی رہ جانا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول پر جب صدیق اکبرؓ اور علی حیدرؓ کو مکہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو انھوں نے یہ اعلان نہیں کیا کہ اب مشرک ہر حیثیت سے نجس ہیں۔ لہذا آج کے بعد نہ کوئی مسلمان ان کو چھوئے اور نہ یہ کسی مسلمان کو چھونے پائیں اور اپنے لباس و طعام کو بھی ان کی چھوت سے بچاؤ اور ان کی خورد و نوش کی چیزوں کو بھی "اچھوت" سمجھو۔ بلکہ صرف یہ اعلان کیا کہ اس برس کے بعد اب کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا ہو کر طوافِ کعبہ کر سکتا ہے (جو مشرکانہ رسوم جاہلیت میں سے ایک خاص رسم تھی)۔ چنانچہ محدث ابنِ کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ولھذا[2] ابعث رسول الله صلی الله اور اسی آیت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] تفسیر ج ۲ ص ۳۴۶ - [2] ایضاً۔

علیہ وسلم علیا صحبۃ ابی بکر رضی اللہ — حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں حضرت علیؓ کو اسی سال بھیجا

عنہما عامئذ وامرہ ان ینادی فی — اور ان کو حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر مشرکوں میں یہ منادی

المشرکین. ان لایحج بعد ھذا العام — کردیں کہ اس برس کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرنے آئے

مشرک ولایطوف بالبیت عریان. — اور نہ کوئی عریاں ہو کر طواف کرے۔

یہ روایت ان ہی الفاظ و معنی کے ساتھ بخاری مسلم اور دوسری کتب احادیث میں موجود ہے اور بہت مشہور حدیث ہے۔ مشرکین کے نجس بدن وذات نہ ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طریق سے یہ منقول ہے کہ اگر کوئی مشرک ذمی اور صاحب عہد ہے تو اس کو اور اس کے خادم کو مسجد حرام یعنی حرم میں داخل ہونے کی اجازت ہے سو اگر عدم اجازت کا حکم نجاستِ بدن کی وجہ سے ہوتا تو پھر یہ استثناء ناممکن ہوتا چنانچہ مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ — حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

صلی اللہ علیہ وسلم لایدخل مسجدنا — فرمایا ہماری مسجد (مسجد حرام) میں اس برس کے بعد

بعد عامنا ھذا مشرک الا — کوئی مشرک داخل نہ ہو مگر یہ کہ وہ اہل عہد ہوں یا ان

اھل العھد وخدمھم. — کے مشرک خادم۔

نیز یہ حکم صرف صنم پرست مشرکوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس "نجاست" کے عموم میں نصاریٰ و یہود بھی شامل ہیں اور داخلۂ حرم ان کے لئے بھی اسی طرح ممنوع ہے جس طرح بت پرست مشرکوں کے لئے اور اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مسلمانوں کے علاوہ سب غیر مسلموں کو اس کا مخاطب بنایا۔" حالانکہ بحکم قرآن یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔"

غرض آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ چونکہ مرکزِ اسلام "حرم" کو شرک و کفر کی نجاست سے پاک

کر کے صرف اسلام ہی کو باقی رکھنا ہے اس لئے ان تمام لوگوں کے لئے جو کفر و شرک کی تلویث سے ملوث ہیں داخلۂ حرم ممنوع قرار دیا گیا نہ یہ کہ ان کے ظاہری جسم و بدن کو نجس کہا گیا اور حرم کی حفاظت کا یہی مقصد عظیم تھا جس کی بدولت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف حرم بلکہ جزیرۃ العرب کو غیر اسلامی عناصر سے پاک کرنے کی وصیت فرمائی

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب	مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔
اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب	یہود اور نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔

بہر حال جبکہ اسلامی تمدن میں کوئی انسان ناپاک یا اچھوت نہیں ہے لہذا مسلم ہو یا کافر و مشرک اس کے ہاتھ سے چھوئی ہوئی شے بلکہ ہر ایک انسان کا جھوٹا پاک اور طاہر ہے اور جن اشیاء کو اسلام نے طیبات اور حلال قرار دیا ہے ان کو تر اور خشک خام اور پختہ کی تقسیم و تفصیل کے بغیر ہر ایک انسان کے ہاتھ سے کھایا جا سکتا ہے چنانچہ حسب ذیل روایات اس کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اُتِیَ بقدح من لبن فشرب وناول الباقی اعرابیاً کان من یمینہ فشربہ ثم ناولہ ابا بکر فشربہ[1]	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا آپ نے اول اس میں سے پیا اور باقی ایک بدوی کو دیا جو آپ کے داہنے جانب بیٹھا ہوا تھا پھر اس نے پی کر اس پیالہ کو حضرت ابوبکرؓ کی جانب بڑھا دیا اور انھوں نے باقی دودھ پی لیا۔
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضافہ یھودی علی خبز شعیر و اھالۃ سنخۃ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہودی نے دعوت کی اور جو کی روٹی اور غیر صاف شدہ چربی کھلائی۔
اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجبنۃ فی غزاۃ فقال این صنعت ھذہ؟ فقالوا الفارس ونحن نری انہ تجعل فیھا میتۃ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی غزوہ میں پنیر پیش کیا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں کا بنا ہوا ہے صحابہؓ نے عرض کیا فارس کا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ

[1] ترمذی

نقال اطعنوا فیہا بالسکین و اذکروا مجوس اس میں مردار (کی چربی وغیرہ) ملاتے ہیں آپ نے
اسم اللہ وکلوا۔ لہ فرمایا کہ اس کو چھری سے کاٹ لو اور اللہ کا نام لیکر کھاؤ۔

یعنی جب کہ اس کا ظاہر پاک ہے تو خواہ مخواہ شک پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کی تواضع اور اخلاق کریمانہ سے متعلق بعض روایات میں ہے کہ آپ نے مشرک مہمان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور فقہ کی کتابوں میں یہ قانونی دفعہ موجود ہے۔

وسور الآدمی طاہر لان المختلط اور آدمی کا جھوٹا پاک ہے اس لئے کہ اس شے
بہ اللعاب وقد تولد من لحم طاہر کے ساتھ اس کا لعاب مخلوط ہوا ہے جو پاک گوشت
ویدخل فی ھذا الجواب الجنب و سے پیدا شدہ ہے اور اس حکم میں جنبی حائض اور
الحائض والکافر ۔ ۲ه کافر سب داخل ہیں۔

البتہ اگر انسان نے کوئی حرام شے مثلاً خنزیر یا شراب کھائی یا پی ہے تو جس وقت تک اس کے لعاب دہن میں اس کا اثر باقی ہے اس کا جھوٹا ناپاک ہے اور اس کے بعد باتفاق جمہور علماء اسلام پاک ہے۔

(۲) مشرکین میں سے صرف اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمان کے لئے حلال ہے بشرطیکہ وہ توراۃ و انجیل کے حکم کے مطابق ذبح کرتے ہوں اور یہ اس لئے کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جانور ذبح کرنے کے وقت یہود و نصاریٰ خدا ہی کا نام لیتے ہیں اور اسی طرح ذبح کرتے ہیں جس طرح مسلمان۔

چنانچہ قرآن عزیز میں بصراحت یہ حکم موجود ہے۔

الیوم احل لکم الطیبات وطعام اب تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کردی گئیں۔ اور
الذین اوتوا الکتاب حل لکم و اہل کتاب کا "طعام" تمہارے لئے حلال کردیا گیا اور
طعامکم حل لھم (مائدہ) تمہارا طعام اہل کتاب کے لئے حلال ہے۔

لہ مسند احمد و بزار عن ابن عباس۔ ۲ه ہدایہ باب الآسار۔

اس آیت میں باتفاق علمائے اسلام "طعام" سے مراد "ذبیحہ" ہے ورنہ تو غیر ذبیحہ کے علاوہ غیر مسلم کی تمام اشیاء خورونوش کا جواز سابقہ آیات واحادیث سے ثابت ہو چکا ہے جس میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں۔

وهذا امر مجمع علیه بین العلماء ان	اور یہ مسئلہ علمائے اسلام کے یہاں متفق علیہ ہے کہ
ذبائحهم حلال للمسلمین لانهم	اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے اس
یعتقدون تحریم الذبح لغیر الله	لئے کہ وہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کرنے کو حرام جانتے
ولا یذکرون علی ذبائحهم الا	ہیں اور ذبح کے وقت خدا کے نام کے سوا کسی کا
اسم الله ۔ ؎۱	نام نہیں لیتے۔

البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ذبح کے طریقہ اور خدا کا نام لیکر ذبح کرنے میں مسلمانوں کے طریق ذبح اور ذکر اللہ کے پابند ہوں بلکہ ان کے مذہب کے مطابق جو بھی طریقہ ہے اس کے مطابق ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ لیکن کسی حلال جانور کے گوشت کھانے کا وہ طریقہ جو آج یورپین عیسائیوں میں رائج ہے مثلاً گردن مروڑ کر مار ڈالنا یا مشین کے ذریعہ مارنا اور گوشت نکال لینا سو یہ قطعاً حرام ہے کیونکہ قرآنِ عزیز نے تو اہلِ کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دینے کے باوجود مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم	اور وہ ذبیحہ ہرگز نہ کھاؤ جس پر ذبح کے وقت خدا
الله علیه۔	کا نام نہ لیا گیا ہو۔

اور عقل بھی یہ نہیں تسلیم کرتی کہ جو شے مسلمانوں کے اپنے دسترخوان پر حرام کر دی گئی ہو مثلاً "غیر مذبوح جانور" اور اس کو مردار کہا گیا ہو وہ غیر مسلم کے دسترخوان پر مسلمانوں کے لئے حلال کر دی جائے حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ مشرکین کا ذبیحہ صرف اسی لئے حرام کر دیا گیا کہ اول تو وہ ذبح

؎۱ تفسیر ج ۲ ص ۱۹۔

کرتے ہی نہیں اور "جھٹکا" کافی سمجھتے ہیں اور اگر ایسا کبھی کرتے بھی ہیں تو ذبیحہ پر خدا کا نام نہیں لیتے۔

(۳) جس دسترخوان پر شراب خنزیر یا اسی قسم کے محرمات طعام موجود ہوں اس پر مسلمان کو شریک طعام نہیں ہونا چاہیے۔

عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نہی عن الجلوس علی مائدۃ یشرب	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دسترخوان پر بیٹھنے کو
الخمر علیہا۔ (رواہ رزین) [۱]	منع فرمایا ہے جس پر شراب پی جا رہی ہے۔

چنانچہ فقہاء اسلام کے نزدیک یہ عمل بعض حالات میں "مکروہ تحریمی" اور بعض حالات میں حرام کا درجہ رکھتا ہے۔

زیر بحث عنوان کے یہ وہ اہم مسائل ہیں جن کو اسلامی تمدن میں اصول کی حیثیت حاصل ہے اور جو عنوان مسطورہ بالا میں اسلامی تمدن کو دوسرے مذہبی اور قومی تمدنوں سے ممتاز کرتا ہے اور اسی بنا پر ہر ملک اور ہر مقام کے مسلمان کے لئے یہ اسوہ اور واجب التعمیل ہیں۔

عیسائی تمدن زیر بحث عنوان کے ماتحت شراب اور خنزیر دونوں کو جائز قرار دیتا ہے اور ان کے مسخ شدہ تمدن میں مردار بھی حلال ہے بلکہ حلت و حرمت کی بحث ہی مفقود ہے۔

اور یہودی تمدن میں یہودی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ذبیحہ درست نہیں ہے خواہ وہ صرف خدائے واحد ہی کے نام کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو نیز ان کے مسخ شدہ تمدن میں بعض حلال اور طیب اشیاء کو از خود حرام کر لیا گیا ہے۔

اور ہندو تمدن میں زیر بحث عنوان کے ماتحت ایسی قیود اور پابندیاں لازم کر دی گئی ہیں جو عقل کے قطعاً خلاف بلکہ انسانی مساوات کے بھی متضاد ہیں۔ مثلاً "چھوت اچھوت کا مسئلہ" کہ ایک خاص نسل و خاص خاندان کے علاوہ خود ہندوؤں میں سے بعض نسل و خاندان کے افراد بھی ایک ہندو کے کھانے کو ہاتھ لگا دیں تو وہ کھانا ناپاک اور نجس ہو جاتا ہے بلکہ ایک ہی خاندان و نسل کے ہندو بھی ایک دوسرے

[۱] جمع الفوائد ج ۱

کے کھانے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے حتیٰ کہ باپ اور بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان چھوت جاری ہے اور اسی اعتقاد کے پیش نظر ان کے یہاں چوکا لیپ کر اس کے اندر کھانا ضروری ہے اور اس کے بغیر کھانا نجس اور ناپاک ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی انسان خواہ وہ ہندو اور اعلیٰ ذات ہی کا کیوں نہ ہو اگر اس چوکے کے اندر گھس آئے تو اس کا یہ عمل کھانے کو نجس بنا دیتا ہے اور بعض برہمن خاندانوں میں تو دوسرے انسان کا کھانے پر سایہ پڑ جانے سے بھی کھانا ناپاک اور حرام ہو جاتا ہے۔ نیز ہندو تمدن میں گوشت خوری بھی سخت ممنوع ہے خصوصاً گائے یا گوسالہ کے ذبیحہ کو وہ انسان کو قتل کر دینے سے بھی زیادہ پاپ اور گناہ یقین کرتے ہیں اور جن خاندانوں یا نسلوں میں گائے اور گوسالہ کے علاوہ دوسرے جانوروں کا گوشت کھانے کی رسم قائم بھی ہے تو ان کے یہاں ذبح کا وجود نہیں ہے بلکہ جھٹکا (جانور کی گردن مار دینا یا گردن مروڑ ڈالنا) شامل رسم و رواج ہے اور جانوروں کے درمیان حلال و حرام اور طیب و خبیث کے لئے بھی ان کے یہاں کوئی قانون و دستور نہیں ہے بلکہ ہر شخص کی اپنی طبیعت کے قبول و عدم قبول پر موقوف ہے۔ اور مجوسی (پارسی) تمدن میں شراب بھی حلال ہے اور جانوروں کی حلت و حرمت کے لئے بھی کوئی قانون اور امتیاز موجود نہیں ہے۔

لہٰذا زیر بحث عنوان کے ماتحت مسطورہ بالا اصول اسلامی تمدن کے "امتیازی اصول" ہیں۔ اور دوسرے مذاہب و ملل کے مذہبی اور قومی تمدنوں کی افراط و تفریط سے جدا ایک صحیح اور معتدل تمدن کی تعلیم دے کر تمام عالم اسلامی کو ایک سلک میں منسلک کرتے ہیں۔

آپ غور فرمائیں کہ پہلے عنوان کی طرح اس عنوان میں بھی اسلام ایک جانب اوہام پرستی اور رسم پرستی کی قیود سے آزادی دلاتا ہے اور دوسری جانب بے قید بہیمانہ اور غیر معتدل طریقوں کی نفی کر دیتا ہے اور ایک ایسی صاف اور روشن راہ دکھاتا ہے جس میں نہ وہم پرستی کا دخل ہے اور نہ بے قید و آزاد لذت پرستی کا۔

آداب طعام | مسطورہ بالا اصول کے علاوہ بعض ایسے امور بھی ہیں جو "آداب طعام" کہلاتے ہیں

اور یہ دو طرح کے امور ہیں ایک وہ جو کہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اگرچہ سنن ہدی (سنن مستحبہ) میں داخل ہیں لیکن وہ تمام عالم اسلامی کے لئے ان کے ملکی اور موسمی ضروریات کے اختلاف کے باوجود یکساں طور پر اسوہ قرار دیئے جاتے ہیں مثلاً (۱) بسم اللہ کہکر یعنی خدا کا نام لے کر کھانا شروع کرنا (۲) داہنے ہاتھ سے کھانا (۳) لیٹ کر یا تکیہ لگا کر نہ کھانا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی یہ ہیں۔

عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لایاکل احد منکم بشمالہ ولا یشربن بھا فان الشیطان یاکل بشمالہ ویشرب بھا۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ پئے اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اکل احدکم فلیاکل بیمینہ واذا شرب فلیشرب بیمینہ [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھائے یا پئے تو وہ داہنے ہاتھ سے کھائے اور پئے۔

عن سلمۃ بن الاکوعؓ ان رجلاً اکل عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشمالہ فقال کل بیمینک قال لا استطیع قال لا استطعت ما منعہ الا الکبر فما رفعھا الیٰ فیہ

حضرت سلمہ بن اکوع (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھا ہوا بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا آپ نے فرمایا خدا ایسا ہی کرے حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو داہنے ہاتھ سے کھانے کی قدرت تھی اور وہ معذور نہیں تھا مگر ازراہ تکبر انکار کرتا تھا اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا نشانہ بنا اور پھر واقعی حضور کی بددعا کے بعد وہ کبھی اپنا ہاتھ منہ تک نہیں اٹھا سکتا تھا

---

[۱] و [۲] و [۳] مسلم

پہلی حدیث میں بائیں ہاتھ سے کھانے کا عمل شیطان کی جانب منسوب کیا گیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو متضاد قوتیں ودیعت فرمائی ہیں ایک "ملکوتی قوت" یہ انسان کو ہر اچھے اور بھلے کام کی جانب رغبت دیتی اور آمادہ کرتی ہے اور دوسری "بہیمی قوت" یہ اس کو ہر وقت برائی اور شر پر اکساتی اور برانگیختہ کرتی رہتی ہے اور جبکہ حق تعالیٰ کے قانونِ قدرت اور نوامیس فطرت نے ہم پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ مادی کائنات کی ہر شے کے لئے کوئی مرکز اور معدن ضرور بنایا گیا ہے مثلاً آگ ہم کو مختلف شکلوں اور حالتوں میں نظر آتی ہے مگر یہ سب آگ کی جدا جدا حقیقتیں نہیں ہیں بلکہ یقیناً ان کا ایک معدن اور مخزن ہے جس سے آگ کا ظہور ہوا اور اس نے مختلف حالات وکیفیات اختیار کیں۔ یہی حال پانی کا ہے۔ کیا ہم کنویں۔ نل۔ پائپ۔ حوض اور مختلف محدود پانی کی مقدار کو جدا جدا حقیقت سمجھتے ہیں۔ یا یہ یقین کرتے ہیں کہ ان تمام پانیوں کی حقیقت ایک ہے اس لئے کہ ان کا معدن ومخزن ایک ہے اور وہیں سے اس کا ظہور ہوا ہے۔

کیا ہم روشنی کو مختلف ہندسی اشکال کے مقامات میں مختلف نہیں دیکھتے مگر باایں ہمہ ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ سب روشنیاں ایک ہی حقیقت ہیں اس لئے کہ ان کا معدن ومخزن ایک ہے اور وہ "آفتاب" ہے۔ تو اس طرح عالمِ روحانیات میں بھی یدِ قدرت نے ہر شے کا ایک معدن اور مخزن بنا لیا ہے اور اسی معدن سے وہ ظہور کرتی اور اپنے معدن کی حقیقت کے مطابق نظر آتی ہیں۔ مگر جس طرح ہم مادی اشیاء کے معادن کا پتہ صرف عقل سے ہی لگا لیتے ہیں۔ اس طرح قویٰ باطنیہ کے معادن کا پتہ نقل کی مدد کے بغیر نہیں لگایا جا سکتا لہٰذا خدائے تعالیٰ نے ان علوم کی تعلیم کے لئے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا اور انھوں نے علم یقین (وحی الٰہی) کے ذریعہ ہم کو یہ بتایا کہ انسان میں ودیعت شدہ قوتِ ملکوتی کا معدن "ملک" (فرشتہ) ہے وہ خارج سے اس قوت کو نیک اعمال کے لئے آمادہ کرتا اور اس کو قبولِ حق کے لئے قوت بہم پہنچاتا ہے اور قوت بہیمیہ کا معدن "شیطان" ہے وہ اس قوت کو بُرے اعمال

کی جانب اکساتا اور برانگیختہ کرتا اور اس کو قبول باطل کے لئے طاقت مہیا کرتا ہے پس اگر انسان ۔ متضاد قوی کی کشاکش میں "عقل کو وزیر با تدبیر بنا کر کام لیتا ہے تو وہ نیک اعمال اختیار کرتا اور سعادتِ دارین حاصل کرتا ہے اور اگر عقل کو مغلوب کر کے نفس امارہ کو راہنما بنا لیتا ہے تو پھر بداعمال میں مبتلا ہو جاتا اور آیت "ان النفس لامارۃ بالسوء" کا مصداق بن جاتا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب خاتم النبیین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جگہ جگہ امت کو توجہ دلاتے اور اس کو ایسے شیطانی امور سے بچانے کی سعی فرماتے ہیں جو معمولی شکل وصورت میں رونما ہو کر آہستہ آہستہ انسان کو عالم روحانی (ملاء اعلیٰ) سے دور کر دینے کا باعث بنتے اور خالقِ کائنات کے قرب سے بعد پیدا کرتے ہیں۔ آپ بلاشبہ ان اعمال وحرکات کو دیکھتے تھے جو شیطان سے سرزد ہوتی ہیں اور پھر امتِ مرحومہ کو ان سے مطلع فرما کر نیک وبد کی تمیز سے بہرہ ور فرماتے تھے۔

عن عائشۃ انہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اکل احدکم طعاماً فلیقل بسم اللہ فان نسی فی الاول فلیقل فی الآخر بسم اللہ فی اولہ واٰخرہ۔ ؎۱	حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اس کو بسم اللہ کہہ کر شروع کرنا چاہئے اور اگر وہ شروع میں بھول گیا تو آخر میں یہ پڑھ لے "بسم اللہ فی اولہ واٰخرہ"
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان یستحل الطعام ان لا یذکر اسم اللہ علیہ ؎۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس کو شیطان اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انسان کو کسی بھی حالت میں خدا کی یاد سے غافل نہیں رہنے دینا چاہتا لہٰذا کھانے پینے کی حالت میں جبکہ انسان لذاتِ دنیوی سے محظوظ ہوتا ہے ایسی حالت میں دنیوی انہماک و

؎۱ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ؎۲ مسلم

اشتغال عموماً یادِ خدا سے غافل کردیتا ہے اس نے مناسب سمجھا کہ اس حالت میں بھی حضرت انسان کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے باقی رہے اور اس کی روحانی کیفیات میں تکدر نہ پیدا ہونے پائے۔ پس جو شخص بھی بسم اللہ کے بغیر کھانا شروع کرتا ہے وہ گویا اپنی روحانیت کو مکدر کرکے شیطان کے لئے یہ موقعہ بہم پہنچاتا ہے کہ وہ اس کا رفیق مجلس ہوکر اس کو خیر و برکت سے محروم کردے۔

اور ایسے مواقع پر حقیقتاً شیطان کی شرکت ایسا واقعہ ہے جس کے علم کے لئے ہمارے علوم متداولہ کافی نہیں ہیں بلکہ یہ علم منجانب اللہ عطا ہوتا ہے اور انبیاء و رسل کو خصوصیت کے ساتھ اس سے مشرف کیا جاتا ہے تاکہ وہ امت کو عالم روحانیات کے وسائل و موانع پر متنبہ کرسکیں۔

نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن الجلوس علی مائدۃ یشرب الخمر علیھا و ان یاکل رجل او یشرب منبطحاً علی بطنہ و رخص فی اکل حب مقلاً و نحوہ متکئاً ۔[۱]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دسترخوان پر بیٹھنے کو منع فرمایا جس پر شراب پی جاری ہو اور اس سے منع فرمایا کہ لیٹ کر کھایا یا پیا جائے۔ اور کھانا کھانے کے علاوہ کسی خشک میوہ یا دانہ کو تکیہ لگا کر یا لیٹے ہوئے نقل کرنے کے لئے رخصت دی۔
عن عمرو بن العاص ما رئی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاکل متکئاً قط ۔[۲]	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام عمر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔
ولا اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئاً ۔[۳]	اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

لیٹ کر یا تکیہ لگا کر کھانا طبی اصول سے بھی مضر ہے اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں معدہ اور

---

[۱] رواہ رزین عن ابن عمر۔ جمع الفوائد جلد ۱۔ [۲] ابوداؤد۔ [۳] حجۃ اللہ۔

امعار کی ہیئت اس طرح ہوجاتی ہے کہ کھانا اور پانی کے ہضم میں بے نظمی پیدا ہوجاتی نیز یہ طریقہ متکبروں اور مستغنی لوگوں کا ہے اس لئے ناپسندیدہ طریقہ ہے۔

غرض ان ہر سہ امور میں سے پہلا حکم یعنی خدا کا نام لے کر کھانا شروع کرنا اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایسا حکم ہے جو مذاہب عالم میں سے دوسرے مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے اور دوسرے دو امور فطری اور نیچرل ہیں لیکن اسلام کے آداب طعام میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ پہلے مسئلہ میں اسلام یہ چاہتا ہے کہ خدا کا ذکر اس زبان میں ہو جو مسلمانانِ عالم کے لئے مذہبی زبان ہے اور وہ "لسانٌ عربیٌ مبین" قرآن کی زبان ہے اور ان الفاظ کے ساتھ ہو جس کی تعلیم ہم کو دنیا کے سب سے بڑے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی ہے۔ اور دوسرے دو مسائل کا امتیاز یہ ہے کہ اگرچہ داہنے ہاتھ سے کھانا اور لیٹ کر یا تکیہ لگا کر نہ کھانا عقل کے فیصلہ پر بھی اس لئے ہوسکتا ہے کہ طبی اصول پر بھی اس کی پابندی صحت کے لئے مفید ہے اور داہنے ہاتھ سے کھانا فطرت کا تقاضا ہے تاہم اسلام کے تمدن میں ان کو جو اہمیت حاصل ہے وہ دوسرے تمدنوں میں نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام ان امور کو صرف اسی لئے تلقین نہیں کرتا کہ ان کے وہ فائدے ہیں جو سطور بالا میں مذکور ہیں اور اس لئے ہر شخص اُن فوائد کو حاصل کرنے نہ کرنے میں آزاد ہے بلکہ وہ ان کا حکم اس لئے دیتا ہے کہ اپنا کرنے سے ایک مسلمان دینی اور اخروی برکت وسعادت حاصل کرتا اور اپنی اخلاقی اور روحانی کیفیات میں انجلا اور روشنی کا اضافہ کرتا ہے۔ اس لئے تمام عالم اسلامی کے لئے یہ مستحسن ہے کہ وہ اکل وشرب کے اصول تمدن پر پوری طرح کاربند رہتے ہوئے اپنے ملکی مخصوص طریق معاشرت کے مطابق خواہ جس طرح کھائیں پئیں مگر ان آداب طعام کو ضرور اپنا لیں اور ان کو معاشرتِ طعام کے آداب کا ایسا حصہ یقین کریں جو اسلامی تمدن میں تمام امت کے لئے ہمہ گیر کہلاتے ہیں۔

اور بعض امور وہ ہیں جو پہلے تین امور کی طرح اگرچہ سنن ہدیٰ (سنن مستحبہ) ہی شامل ہیں لیکن ہر ملک کے ملکی اور موسمی ضروریات وخصوصیات کے پیشِ نظر ان کو یکساں طور پر تمام عالمِ اسلامی کے لئے "اسوہ" قرار دیکر

اسلامی تمدن کا لازمی جزء نہیں بنایا جا سکتا۔ البتہ صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان کو اس لئے پسندیدہ اور مرغوب فرمایا ہے کہ ان آداب وطرق میں تواضع، سادگی اور دنیوی امور میں عدم انہماک لازم آتا ہے اور آپ عرب کی سادہ معاشرت کو عجم کی پرتکلف اور دنیوی انہماک کی داعی معاشرت کے مقابلہ میں پسند فرماتے اور مسلمانوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے اس لئے وہ ہر حالت میں اسلامی تمدن میں مرغوب اور پسندیدہ رہیں گے اور ان کا امتثال یقیناً موجب سعادت وبرکت ہوگا تاہم ان امور کو یہ حیثیت حاصل نہیں کہ اگر کوئی ملک یا کوئی قوم اس پر عامل نہ ہو مگر وہ اکل وشرب سے متعلق تمدن اسلامی کے مسطورہ بالا اصول پر کاربند ہو تو اس کے متعلق یہ حکم دیا جائے کہ وہ اسلامی تمدن کے حامل نہیں ہیں یا ان کا عمل اسلامی تمدن کے خلاف ہے۔

(۱) مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر مبارک میں کبھی چوکیوں یا تپائیوں پر لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا ہے جبکہ اشیاء خورونوش بھی دسترخوان ہی پر رکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ اور شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ چوکیوں یا تپائیوں پر کھانا لگا کر کھانا اس زمانہ میں عجمی بادشاہوں اور متکبر امراء کا دستور تھا اور ذات اقدس کو تواضع اور سادگی پسند تھی۔

(۲) یا ذات اقدس کا ہمیشہ یہ معمول رہا اور آپ نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو بھی یہ ترغیب دی کہ کھانا ہمیشہ ہاتھ سے کھایا جائے اور اگر خشک گوشت یا پنیر کو ضرورت کے وقت چھری سے کاٹا بھی جائے تب بھی ہاتھ ہی سے کھایا جائے اور آپ نے ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ چھری سے کاٹ کاٹ کر کھانا عجمیوں کا دستور ہے یعنی آپ ان تکلفات کو مرغوب نہیں رکھتے تھے۔

عن انس لم یاکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خوان حتی مات نخ۔ (بخاری)	حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت تک کبھی تپائی یا چوکی پر کھانا چن کر نہیں کھایا۔

ما اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی خوانٍ الخ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز یا تپائی پر کھانا چن کر نہیں کھایا۔
قیل لقتادۃ فعلی ما یأکلون؟ قال علی السفر۔ ۵	حضرت قتادہؓ نے بھی جب یہ روایت بیان کی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ پھر کس شے پر کھانا کھاتے تھے فرمایا دسترخوان پر رکھکر کھاتے تھے۔
عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنیع الاعاجم وانھسوہ نھسا فانہ اھنأ وامرأ ۔ ۵	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ اس لئے کہ یہ عجمی لوگوں کا طریقہ ہے اور دانتوں سے نوچ کر کھاؤ کہ یہ طریقہ ہضم کے لئے مفید اور خوشگوار ہے۔

پس اسلامی تمدن میں ان امور کی حیثیت یہ ہے کہ چونکہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کو ازراہ تواضع وسادگی پسند فرمایا ہے اور عجمی تکلفات کو ناپسند فرمایا اس لئے جن ملکوں میں یہ دونوں طریقے مسلمانوں میں داخل تمدن تھے اور اب انھوں نے یورپین اقوام کی تقلید میں دوسرے طریقوں کو بھی داخل تمدن کرلیا ہے یعنی انھوں نے میز کرسی پر کھانا کھانے اور چھری کانٹے سے کھانے کو شامل تمدن کرلیا ہے تو ان کا یہ عمل بلاشبہ ناپسندیدہ شمار ہوگا اور فقہی اصطلاح کے لحاظ سے کم ازکم مکروہ کہلائے گا۔ اور جن ملکوں میں بلحاظ ملکی خصوصیات وموسمی حالات کھانے پینے کی معاشرت میں یہ طریقے جزء تمدن بن چکے ہیں تو ان کے لئے یہ اعمال مباح اعمال میں شمار ہوں گے۔ اور اکل وشرب سے متعلق ان کا وہ تمدن جس میں اسلامی تمدن کے ضروری اصول کو اسوہ بنالیا گیا ہو محض ان کی وجہ سے اسلامی تمدن سے خارج نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ معاشرت کے

---

۵ کنز العمال۔

اس حصہ کو مفضول اور غیر اولیٰ ضرور کہا جائے گا اور بلاشبہ وہ ان مخصوص طریقوں میں اس سعادت و برکت سے محروم رہیں گے جو صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغوبات کی پیروی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ آداب طعام کے ان مسائل کا ذکر کرتے ہوئے حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے:- اعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی العرب وعاداتھم اوسط العادات ولم یکونوا یتکلفون تکلف العجم والاخذ بھا احسن وادنی ان لا یتعمقوا فی الدنیا او لا یعرضوا عن ذکر اللہ وایضاً فلا احسن لاصحاب الملۃ من ان یتبعوا سیرۃ امامھا فی کل نقیر وقطمیر۔

یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے اور اہلِ عرب کی عادات اوسط عادات ہیں یعنی نہ وہ دیہاتیوں کی طرح غیر متمدن زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں اور نہ عجمیوں (غیر عرب) کے تکلفات کے عادی۔ تو ان عادات کو اختیار کرنا، دنیوی انہماک اور ذکر اللہ سے غفلت سے محفوظ رہنے کے لئے تازہ بہتر اور انفع ہیں۔ نیز اصحاب ملت کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی کہ ہر ایک چھوٹی بڑی چیز میں وہ اپنے امام کی سیرت کی پیروی اختیار کریں۔

ان امور کے علاوہ بعض اور امور بھی ہیں جن کے اختیار و ترک کے متعلق صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال طیبہ کی اساس اظہار شفقت یا طبی مفادات کے پیش نظر ہے اور اسی لئے بعض مرتبہ آپ نے اپنے ارشاد مبارک کے خلاف عمل کر کے یہ ظاہر فرما دیا کہ یہ ممانعت یا حکم اپنی ذات میں شرعی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ صحت وغیرہ مصالح کی بنا پر ارشاد فرمایا گیا ہے اور اس لئے فقہاء نے بھی ان کو یہی حیثیت دی ہے اور امر و نہی کو شفقت پر محمول کیا ہے۔ مثلاً (۱) کھڑے ہو کر نہ کھانا نہ پینا[۱] - (۲) پانی میں سانس نہ لینا[۲] - (۳) کھانے اور پینے کی چیزوں میں پھونک نہ مارنا[۳] کیونکہ یہ عمل دوسروں کے لئے باعث نفرت ہوتا ہے۔"

---

۱ عن انس، مسلم و ترمذی۔ ۲ بخاری و مسلم ۳ معجم طبرانی کبیر عن ابن عباس۔

(۴) حتی الامکان جماعت میں شریک ہو کر کھانا علیحدہ علیحدہ نہ کھانا۔[1] (۵) کھانے سے قبل اور بعد ہاتھ دہونا وغیرہ[2] چنانچہ خود صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ذاتِ اقدس نے کبھی کبھی کھڑے ہونے کی حالت میں پانی پیا ہے۔[3]

ان کے علاوہ اور بھی متعدد امور ہیں جن کا ذکر احادیث صحیح میں موجود ہے اور جو مسطورہ بالا حیثیت ہی کے ساتھ "آداب طعام" میں داخل ہیں۔ الغرض اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ زیر بحث عنوان سے متعلق جو امور قرآنِ عزیز اور احادیثِ رسول میں مذکور ہیں وہ تین قسم پر منقسم ہیں۔

(۱) وہ اصول جن کے متعلق یہ کہا جائیگا کہ مسئلہ زیر بحث میں دوسرے مذاہب و اقوام کے تمدنوں کے مقابلہ میں اسلامی تمدن ان کی وجہ سے جدا اور ممتاز ہے اور ان کی خلاف ورزی تمدنِ اسلامی کی خلاف ورزی ہے۔ اور ان میں وہ سب امور شامل ہیں جن کا ذکر گذشتہ اوراق میں "حلت و حرمت" اور "چند اصول" کے عنوانوں کے تحت ہو چکا ہے۔

(۲) وہ "آدابِ طعام" جن کا اختیار و ترک اگرچہ وجوب و حرمت کا درجہ نہیں رکھتے اور سننِ ہُدیٰ (سنن مستحبہ) میں داخل ہیں مگر اسلامی تمدن کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ بلا تخصیص ملک و قوم تمام عالمِ اسلامی کے لئے یکساں طور پر جزءِ تمدن ہونے چاہئیں اس لئے کہ ان کی مستقل خلاف ورزی شریعت کی نگاہ میں قابلِ ملامت قرار پائی ہے۔

(۳) آداب اکل و شرب سے متعلق وہ امور جن کا ترک و اختیار بعض ایسی مصالح کی بناء پر ہے جو طبی یا نفسیاتی مقبولیت و کراہت سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لئے ان میں سے بعض امور کے عادی ہونے کی ممانعت کے ساتھ ساتھ ان کو سنن سے جدا کرنے کے لئے خود صاحبِ شریعت نے بھی کبھی کبھی ان پر عمل کر لیا ہے۔

---

[1] ابوداؤد عن وحشی بن حرب [2] عن سلمان، ابوداؤد ترمذی (یہ حدیث ضعیف ہے) [3] عن علیؓ و ابن عمرؓ و عمرو بن العاصؓ بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔

لباس

گذشتہ صفحات میں تمدن سے متعلق چند عنوانات پر بحث کی جا چکی ہے اب ہم لباس سے متعلق کچھ گذارش کرنا چاہتے اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے فطری تقاضوں، ملکی اور موسمی ضرورتوں کا لحاظ و پاس کرتے ہوئے تمدن کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ میں بھی چند ایسے امتیازی احکام بیان کئے ہیں جن کا پاس و لحاظ مختلف ممالک کے مسلمانوں کو ایک ہی سلک میں منسلک کر دیتا ہے۔ یعنی اگرچہ موسمی تغیرات اور ملکی حالات کے پیش نظر مختلف ملکوں کے مسلمانوں کے لباس بھی مختلف نظر آتے ہیں تاہم ان چند امتیازات کی بنا پر جو اسلام نے بطور اصول کے ضروری قرار دیئے ہیں ان سب کے درمیان ایک ایسی ہم آہنگی اور رشتہ مطابقت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے ملک کی دوسری قوموں کے "تمدنی لباس" میں اشتراک کے باوجود ممتاز نظر آنے لگیں۔ اور اس طرح یہ کہنا صحیح ہو جائے کہ مسلمانوں کی اسلامی وردی کے امتیازی نشانات (شعار) یہ ہیں۔

لباس کی انسان کو کیوں ضرورت ہے اور کس لئے وہ دوسرے حیوانوں کی طرح برہنہ رہنا پسند نہیں کرتا؟ اس کے لئے عقل اور فطرت کا فیصلہ یہ ہے کہ لباس بھی تمدن کے ان مختلف نشانات میں سے ایک بڑا نشان ہے جس نے انسان کو دوسرے حیوانات سے ممتاز بنایا اور وہ انسان کہلانے کے قابل ہوا، اس موقعہ پر "برہنہ انسانوں کے کلب" کا حوالہ دے کر انسان کے اس تمدنی طغرائے امتیاز کو رد نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ یہ بات عقل اور تجربہ بلکہ مشاہدہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ انسانی زندگی کا یہ ردِ عمل (عریاں ہونا) عقل اور انسانیت کے خلاف خالص حیوانی جذبات و احساسات کی پیداوار ہے اور اس لئے ہمارے موضوع سخن سے خارج ہے۔

البتہ یہ سوال پھر بھی حل طلب رہ جاتا ہے کہ آخر عقل و فطرت نے انسان کو اس تمدنی شعبہ

کی جانب کیوں متوجہ کیا اور ایک انسان اس سلسلہ میں نت نئے ایجادات واختراعات کا کس لئے شوق رکھتا ہے؟ مذہبی نقطۂ نظر سے جدا ہو کر جب ہم اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو ہم کو یہ جواب ملتا ہے کہ انسان کو "لباس کی ضرورت" تین بنیادی وجوہ پر ہوتی ہے یا یوں کہہ دیجئے کہ "متمدن انسان" عریانی کو ترک کر کے تین اہم مقاصد کی وجہ سے لباس سے رغبت رکھتا ہے۔

(۱) ستر (بدن ڈھانپنے اور جسم کی عریانی کے عیب کو چھپاتے) کے لئے (۲) زینت وتجمل اور حسن وخوبصورتی حاصل کرنے کے لئے۔ (۳) موسم کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے (۴) حصول شہرت اور دوسروں پر برتری ظاہر کرنے کے لئے۔

لیکن اسلام نے ان چار مقاصد میں سے اول الذکر تین مقاصد کو صحیح اور فطرت سلیم کے مطابق قرار دیا ہے اور چوتھے مقصد کو باطل لغو اور گناہ ٹھیرایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کے بعض حصص جسم وہ ہیں جن کی عریانی اس کے حیوانی اور شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرتی اور جنسی رجحانات ومیلانات کی جانب ہیجان پیدا کرتی ہے نیز اس کا جوہرِ عقل اس سے اپیل کرتا ہے کہ وہ جسم کے ان اعضاء کو اس لئے چھپائے کہ ان کا چھپانا اس کو دوسرے حیوانوں سے جو کہ عقل سے محروم ہیں، ممتاز بنا کر شرف انسانیت کے دائرہ میں داخل کرتا ہے کیا ایک فطرت پرست انسان بھی جب اس مسئلہ پر غور کرتا ہے تو اس کی عقل اور اس کا وجدان واحساس اس کا فیصلہ نہیں کرتے کہ قانونِ قدرت یا فطرتِ (الٰہی) نے انسان اور حیوان کے مختلف اعضاء کو مختلف ضروریات کے لئے بنایا ہے اور جب ان میں سے کسی کے مقررہ فرض کے مطابق کام لیا جاتا ہے تو وہ عام زندگی کے لحاظ سے ٹھیک ڈیوٹی انجام دیتا ہے اور جب اس کی ڈیوٹی کے خلاف اس سے کام لیا جاتا ہے تو یا وہ اس کے انجام دینے سے بالکل عاجز اور درماندہ نظر آتا ہے اور یا عام طور پر ٹھیک ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے پس جبکہ بعض اعضاء انسانی ایسے فرائض ادا کرنے کے لئے مخلوق ہوتے ہیں کہ ایک صاحبِ عقل انسان ان کی ادا کے وقت دوسرے انسان بلکہ دوسرے جاندار سے حجاب اور شرم محسوس کرتا ہے تو یہ ضروری

لباس کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے اسی طرح حصولِ زینت و تجمل بھی اس کا دوسرا فطری اور قابلِ تحسین مقصد ہے اس لئے کہ "اہلِ نظر" اور حسن و جمال کے ناقدین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک حسین اور خوبرو انسان خواہ کتنا ہی ہوش ربا جمال اور زہد شکن لطافتِ حسن کا مالک ہو اگر وہ تن عریاں بن کر نگاہ کے سامنے آجائے تو گو شہوانی جذبات اس سے زیادہ برانگیختہ ہو سکتے ہوں لیکن یہ اس کے حسن و جمال کا ایک ایسا نقص ہے جس کے دور کرنے کے لئے خارج کی امداد کی ازبس ضرورت ہے اور اس کے حسن و جمال کی لطافت و عصمت بغیر لباس کے داغدار ہے۔

اسی طرح اسلام یہ بھی قبول کرتا ہے کہ لباس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کو گرمی اور سردی کے مضر اثرات سے بچائے اور محفوظ کرے اور یہ ایسا ظاہر مسئلہ ہے کہ اس کے لئے کسی تفصیل میں جانے کی مطلق حاجت و ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ قرآنِ عزیز نے ان تینوں مقاصد کو اپنایا اور یہ بتایا کہ خدائے تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ایسی اشیاء مخلوق کیں جن سے تم مختلف قسم کے لباس بناتے ہو اور پھر قابلِ ستر اعضاء کو ان کے ذریعہ چھپاتے، ان سے زینت حاصل کرتے اور گرم و سرد موسموں کی مضرت سے محفوظ رہتے ہو اس لئے تم کو چاہیے کہ اس کے نکوکار اور شکرگذار بندے بنو اور نافرمان نہ بنو۔ سورۂ اعراف میں ہے۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ	اے اولادِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس
لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ	مہیا کر دیا جو جسم کی "ستر پوشی" کرتا ہے اور ایسی چیزیں
وَرِیۡشًا	بھی جو "زیب و زینت" کا ذریعہ ہیں۔

اور زینت کا یہاں تک لحاظ کیا کہ ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ نماز کے وقت تمہارا لباس وہ ہونا چاہیے جس کو تم باعث زینت سمجھتے ہو۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ	(اور ہم نے حکم دیا تھا) اے اولادِ آدم! عبادت کے ہر موقعہ پر اپنے

عند کل مسجد — جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو۔

اور سورہ نحل میں ہے۔

ومن اصوافها واوبارها — اور بھیڑ چار پایوں کی اون اور روؤں اور بالوں سے

واشعارها اثاثا ومتاعا — کتنے ہی سامان (لباس وغیرہ) اور مفید چیزیں بنا دیں کہ

الیٰ حین۔ — ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں۔

وجعل لکم سرابیل تقیکم — اور اللہ نے تمہارے لئے لباس پیدا کر دیا کہ لو کی گرمی سے

الحر وسرابیل تقیکم باسکم — بچاتا ہے نیز آہنی لباس جو (ہتھیاروں کی) زد سے بچاتا ہے

کذلک یتم نعمتہ علیکم — سو (دیکھو) اس طرح اللہ اپنی نعمتیں پوری طرح بخش

لعلکم تسلمون۔ — رہا ہے تاکہ اس کے آگے (اطاعت میں) جھک جاؤ۔

البتہ اسلام نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ لباس کے مقاصد میں سے ایک مقصد حصول شہرت، باہمی فخر و مباہات اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنی برتری کا اظہار بھی ہو سکتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ خیال بداخلاقی اور گناہ اور رامتِ انسانی کے پاک جذبات کے لئے مہلک ہے اس لئے یہ کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن نے اس سلسلہ میں یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ اس مقصد کو "مثبت پہلو" تک میں بیان نہیں کیا اور اس کے متعلق ایک ایسا عام منفی پہلو اختیار کیا جو اس باطل جذبہ کو بھی رد کرتا ہے اور ان امور سے بھی باز رکھتا ہے جو تقویٰ کی زندگی کے خلاف ہوں۔

ولباس التقویٰ ذلک خیر — اور پرہیزگاری کا لباس (یعنی پرہیزگاری) یہی بہتر لباس ہے

اور ظاہر ہے کہ کبر وریا اور شہرت و نمائش کا شوق دونوں عمل تقویٰ "اعمال صالحہ" کے منافی ہیں اس لئے زندگی کے ہر شعبہ میں قابلِ انکار اور لائق پرہیز ہیں۔ اور قرآن عزیز کے ان بیان کردہ اصول کی تفسیر اور تشریح حسب ذیل صحیح احادیث بصراحت کرتی اور ان حقائق پر بخوبی روشنی ڈالتی ہیں۔

مسند احمد میں حضرت علیؓ سے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) سے لباس پہنتے وقت کے لئے ایک دعا منقول ہے جو ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں

الحمد للہ الذی رزقنی من الریاش ما اتجمل بہ فی الناس و اواری بہ عورتی۔ حمد ہے اس اللہ کے لئے جس نے مجھکو لباس سے اس قدر عطا فرمایا کہ میں لوگوں میں اس کے ذریعہ سے تجمل اور زینت حاصل کرسکوں اور چھپانے کے قابل اعضاء جسم کو چھپا سکوں۔

اور مسند احمد، نسائی اور ابن ماجہ میں بروایت عمرو بن شعیبؒ یہ روایت منقول ہے۔

کلوا وتصدقوا والبسوا فی غیر اسراف ومخیلۃ (وفی مسند) فان اللہ یحب ان یری نعمتہ علی عبدہ۔ کھاؤ، خیرات کرو اور پہنو مگر ان امور میں فضول خرچی اور شیخی (غرور) سے بچو۔ بیشک اللہ یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے بندہ پر اپنی نعمت کے آثار دیکھے۔

اس روایت میں غرور و شیخی کے علاوہ "اسراف" کی بھی ممانعت کردی گئی، اس جگہ اسراف کی معین حدود نہیں بیان کی جا سکتیں صرف اصول کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ لباس کے سلسلہ میں اسلام کی بتائی ہوئی حدود سے "جن کا ذکر عنقریب آرہا ہے" متجاوز ہونا اور اقتصاد و حد اعتدال سے بڑھ جانا اسراف سمجھا جائے گا۔ اور ایک دوسری حدیث میں اس مضمون کو ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللہ ایاہ یوم القیمۃ ثم الھب فیہ النار (ابوداؤد) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے شہرت (شیخی و نمود) کے لئے کوئی لباس پہنا اللہ تعالیٰ اس لباس کو قیامت کے دن اس شخص کو پہنائیگا اور پھر اس میں جہنم کی آگ کو مشتعل فرمائیگا۔

غرض۔ قرآن عزیز اور صحیح احادیث نبوی سے یہ ثابت ہوا کہ لباس کے معاملہ میں اسلامی تمدن تین اصول کو فطری اصول تسلیم کرتا ہے اور ان کے خلاف دوسرے اصول کا انکار کرتا ہے اس لئے اسلامی

تمدن میں لباس سے متعلق امتیازی احکام بیان کئے گئے ہیں اور جو تمام کائنات کے موحدین کاملین (مسلمانوں) کے لئے مختلف ملکوں کے لباس کو ایک وردی کی حیثیت عطا کرتے ہیں وہ سب ان ہی اساسی اصول کی فرع اور شاخ ہیں اور ان احکام میں چند اوامر (مثبت احکام) ہیں اور چند نواہی (منفی احکام) ہیں جو گذشتہ چہارگانہ اصول کے زیر عنوان قابلِ ذکر ہیں۔

اسلامی تمدن کا یہ فیصلہ ہے کہ ایک مسلمان خواہ وہ کسی بھی ملک کا باشندہ ہو اور اس کا لباس اپنے ملک کے موسمی اور معاشرتی خصوصیات کی وجہ سے وضع و قطع اور نوعیت میں ہر چند مختلف ہو لیکن بحیثیت مسلم ہونے کے اس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ ان احکام کا پابند ہو تاکہ وہ دوسری اقوام کے شعائر ملی و قومی کی مشابہت سے محفوظ اور ممتاز رہے۔

(۱) لباس کا پہلا مقصد چونکہ ستر ہے اس لئے تمدنِ اسلامی میں مرد اور عورت دونوں کی صنفی خصوصیات کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کے ستر سے متعلق جدا جدا حدود معین کی گئی ہیں اور اس لئے اس کا لحاظ فقہ کی اصطلاح میں "واجب" یا "فرض" کہلاتا ہے۔ مرد کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ناف سے گھٹنے تک ہمیشہ اپنے بدن کو لباس میں چھپائے رکھے[۱] خود ناف ستر میں داخل نہیں اور گھٹنے کی چپنی کے متعلق اسلامی ججوں کی دو رائے ہیں مگر ران کا کوئی حصہ بھی کھلا ہوا نہیں رہنا چاہئے کیونکہ امت مسلمہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ہدایت فرمائی ہے چنانچہ ابوداؤد میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے یہ روایت منقول ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علیؓ!
یا علی لا تبرز فخذک ولا تنظر	اپنی ران کو کھلا ہوا نہ رکھ اور کسی بھی زندہ یا مردہ
الیٰ فخذ حی ومیت (الحدیث)	شخص کی ران پر نگاہ نہ ڈال۔

اور عورت کے لئے یہ حکم ہے کہ چہرہ، پہنچوں تک ہاتھوں اور ظاہر قدم کے علاوہ اس کا تمام بدن

---

[۱] ازدواجی تعلق کی حالت اور بعض خصوصی حالات میں اس حصہ بدن کے کھولنے کی اجازت سے متعلق فقہ میں الگ احکام ہیں۔

"ستر" ہے اور شوہر اور محرم (باپ۔ بھائی۔ بیٹا وغیرہ کہ جن کے ساتھ نکاح حرام ہے) کے علاوہ کسی کے سامنے اس سے زیادہ اپنا حصۂ بدن کھلا رکھنا ممنوع ہے۔ البتہ محرم کے سامنے ہاتھ کہنیوں تک کھلے رہ سکتے ہیں یا دوپٹہ سر پر سے اگر سرک جائے تو سر کھلا رہ سکتا ہے[۱] اور زن و شو کے احکام اس سے جدا ہیں جو زیرِ بحث مضمون سے غیر متعلق ہیں۔ قرآن حکیم سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں اس کے متعلق یہ آیات بیان شافی ہیں۔

وقل للمؤمنٰت یغضضن من	اور اے پیغمبر! مسلمان عورتوں سے کہئے کہ اپنی آنکھیں پست
ابصارھن ویحفظن فروجھن	رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں اور کسی پر اپنا
ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر	بناؤ سنگھار ظاہر نہ ہونے دیں مگر وہ کہ جو (ضرورت کی
ولیضربن بخمرھن علی	بنا پر) کھلا رہتا ہے اور ان کو چاہئے کہ اپنے گریبانوں کو
جیوبھن۔ (نور)	اوڑھنیوں سے چھپائے رکھیں۔

فقہائے اسلام نے "الا ما ظھر منھا" کی تفسیر یہ کی ہے کہ چہرہ اور پہنچوں تک ہاتھ "ستر" میں داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ کاروبار کے سلسلہ میں کھلے ہی رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ ہماری یہ بحث صرف "ستر" سے متعلق ہے پردہ کا مسئلہ ایک مستقل مسئلہ ہے جو اس جگہ زیرِ بحث نہیں ہے

یایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک	اے نبی! اپنی بیبیوں سے اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی
ونساء المؤمنین یدنین علیھن	بیبیوں سے کہو (جب باہر نکلیں تو) اپنے پورے جسم پر
من جلابیبھن۔	چادر لپیٹ لیا کریں (تاکہ جسم کے کسی حصہ پر اجنبی کی نگاہ نہ پڑ سکے)

(۲) لباس کا دوسرا مقصد "حصول زینت" ہے۔ لیکن "زینت" بہت وسیع لفظ ہے جس میں حصولِ زینت سے متعلق اخلاق اور بداخلاقی کے دونوں پہلو سما سکتے ہیں۔ اس لئے معاشرتی لباس میں اسلامی تمدن نے اس کے لئے بھی مردوں اور عورتوں کے لئے حدود مقرر کر دی ہیں اور ان سے تجاوز کرنے کو مقصد زینت کے

---

[۱] لیکن نماز میں سر کا ڈھانکنا بھی ستر میں شامل ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

غلط طریقوں کا حامل قرار دیا ہے جو عموماً بداخلاقی کے باعث ہوتے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ مقصدِ "ستر" سے زائد مقصدِ "زینت" کے لئے اسی حد تک قدم اٹھانا چاہیے کہ وہ زینت کسی طرح بداخلاقی کے لئے جاذب نہ بن جائے کیونکہ ایسی صورت میں پھر لباس کا یہ درجہ "زینت" سے گذر کر تقویٰ کی مخالف سمت چلا جاتا ہے اور اس کو قرآن اور احادیث صحیحہ نے "تبرج جاہلیہ" "اسراف" اور "مخیلہ" (غرور اور بیجا نمائش) کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

پس اسلامی تمدن میں ایسے لباس کو "لباس زینت" کہا جائیگا جو مرد وعورت کے تمام بدن کے لئے ساتر بھی ہو اور مردوں کے حق میں "اسراف" اور "مخیلہ" سے محفوظ رکھنے اور عورتوں کے حق میں ان دونوں کے علاوہ "تبرج جاہلیہ" سے بھی بچانے کا ضامن ہو کہ جن کی تفصیل عنقریب زیر بحث آنے والی ہے۔

(۳) لباس کا تیسرا مقصد گرمی اور سردی سے "تحفظ" ہے اور یہ ایسا فطری مقصد ہے کہ جس کے متعلق خاص اس نقطۂ نظر سے اسلام نے کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اور ہر ملک کے موسمی حالات کے پیش نظر اس کے تغیرات کو آزاد رکھا ہے تاکہ ایک مسلمان اپنے عقل و خرد یا اہلِ ملک کے پسندیدہ طریقِ کار کی پیروی سے جو طریقہ اختیار کرنا چاہے کر سکے۔

(۴) لباس کے ان سہ گانہ اصول کے علاوہ ایک چوتھا مقصد بھی ذکر میں آچکا ہے کہ جس کو "اسلامی تمدن" کسی طرح بھی "مقصد" تسلیم کرنے کو آمادہ نہیں ہے اور اس کو غیر فطری مقصد سمجھتا ہے اور یہی وہ امر ہے جو کہ معاشرتی لباس میں اسلامی اور غیر اسلامی تمدن کے درمیان بہت زیادہ امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔ معاشرتی لباس کا یہ مقصد "بیجا نمائش" "کبر و نخوت کا اظہار" "اسراف" اور "بداخلاقی کو ہیجان میں لانے والی زینت" (تبرج جاہلیہ) سے مرکب ہے۔

چنانچہ اسلام نے ان تمام مہلک و مخرب وسائل و بواعث کے خلاف معاشرتی لباس پر ایسے حدود قائم کر دیئے ہیں کہ جن کے اختیار کر لینے کے بعد اس غلط مقصد کی بیخ و بن اکھڑ جاتی ہے اور تمدن کا

یہ شعبہ سوسائٹی اور جماعت کے درمیان تہذیب واخلاق کے اضافہ کا باعث بن جاتا ہے۔

تفصیلی احکام | اسلامی تمدن میں معاشرتی لباس کے سلسلہ میں جو تفصیلات پائی جاتی ہیں وہ ان ہی چہارگانہ اصول کے پیشِ نظر ہیں جو مثبت و منفی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہیں اس لئے اساسی اصول کے بیان کرنے کے بعد حسب ذیل تفصیلات قابل لحاظ ہیں۔

(الف) ایسا لباس تمدن اسلامی سے خارج اور اس کی پوشش ممنوع ہے جو مرد اور عورت کے اپنے اپنے حدودِ ستر کے منافی ہو۔ مثلاً مرد کے لئے نیکر (   ) اور دہوتی کہ یہ دونوں بدن کے اس حصہ کو ضرور کھلا رکھتے ہیں جس کا چھپانا اسلامی تمدن میں واجب قرار دیا گیا ہے اس لئے ان کا پہننا جائز نہ ہوگا۔ رہا یہ امر کہ نیکر کو اتنا نیچا بنایا جائے کہ وہ ستر سے متعلق حصۂ بدن کے لئے ہر حالت میں ساتر رہے یا دہوتی کو اس طرح باندھا جائے کہ کسی طرح قابلِ ستر حصۂ بدن کھلنے نہ پائے تو یہ حقیقت سے دور محض ایک فرضی بات ہوگی۔ اس لئے کہ نیکر کی قطع وبرید جس مقصد کے لئے کی گئی ہے یعنی چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں کپڑا گھٹنے کو حائل نہ ہو اور جس سے نصف ساق تک کھل جانا طریقہ تمدن میں شامل ہے وہ اس قطع وبرید کے بعد جو کسی حالت میں بھی کپڑے کو گھٹنے سے اوپر نہ ہونے دے تو وہ اونچا پاجامہ یا برجس نما پائجامہ ہو جائے گا نیکر نہیں رہیگا۔ اسی طرح اگر دہوتی کی اصل اور قدیم وضع کو بدل کر اس طرح پہنا جائے کہ کسی حالت میں بھی وہ سامنے سے یا پیچھے سے قابل ستر بدن کو کھلنے نہ دے تو یہ صرف اس صورت میں ہی ممکن ہے کہ دہوتی، دہوتی ہی نہیں بلکہ تہ بند اور لنگی کی قسم میں داخل ہو جائے۔

علاوہ ازیں ان دونوں کا استعمال اس لئے بھی جائز نہیں ہوگا کہ اول الذکر ان یورپین عیسائی اقوام کا قومی شعار ہے جو مسئلہ ستر کو ایک غیر ضروری بلکہ قابل نظرانداز سمجھتی ہیں اور ثانی الذکر ہندوؤں کا قومی لباس ہے اس لئے کہ زمانۂ حاضر میں بھی ہندو حضرات تمدنی لباس کے بہت زیادہ ترقی کر جانے کے باوجود ہزاروں برس پہلے کی اس غیر متمدن پوشش کو جو غالباً کپڑا ایجاد کر کے پہننے کے دور سے بھی پہلے کی

پوشش کہی جا سکتی ہے" آج بھی اس کو اپنے قومی امتیازات میں شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں پوششیں اس نقطۂ نظر سے حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کی مصداق ہیں۔

اور عورت کے لئے عورتوں کا جدید یورپین فیشن ایبل لباس قطعاً ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں اسلامی اصول تمدن کے پیش نظر متعدد وجوہ فساد ہیں۔ اول یہ کہ وہ ساتر نہیں ہے اور عورت کو کہ جس کا تمام بدن ستر ہے مردوں سے بھی زیادہ عریاں رکھتا ہے۔ دوم اس لئے کہ جدید تمدن یا فیشن کے لحاظ سے وہ اس درجہ چست ہوتا ہے کہ اس میں بدن کے وہ تمام حصے جو صنفی اور جنسی امتیازات کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ چھپانے کے قابل ہیں یا عریاں رہتے اور یا زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتے اور دعوت نظر دیتے ہیں اور یہی وہ طریق پوشش ہے جس کو قرآن نے "تبرج جاہلیۃ" کہا اور حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسلام اس قسم کی پوشش کا استعمال محرم کے سامنے بھی ناجائز کہتا ہے۔ سوم اس لئے کہ اس لباس کی ایجاد محض اس بنیاد پر رکھی گئی ہے کہ مذہب اور مذہب کے احکام وحدود قابل نظر انداز بلکہ قابل ترک ہیں اور اس وجہ سے یہ پوشش منکرین خدا یا منکرین مذہب کے خلاف چیلنج ہے" خواہ وہ مذہب عیسائیت اور یہودیت ہو یا اسلام ہو" اور ان کا ملحدانہ شعار ہے۔

(ب) مرد کے لئے ریشمی لباس استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں یہ رفاہیت اور خوش عیشی کی حدودِ اعتدال سے متجاوز ہے اور یہ پوشش اپنے لوازمات کے ساتھ عموماً ایک مرد کو نسوانی نزاکت، بیجا زیبائش میں انہماک اور تعیش مفرط کی جانب مائل کرتی اور شجاعت، سادگی، سخت کوشی اور اسی قسم کے مردانہ خصائل کے لئے سدِ راہ بنتی ہے۔ [۱]

عن ابی موسیٰ ان رسول اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اللہ تعالیٰ نے)
قال، حرّم لباس الحریر والذھب	ریشمی اور زرکار لباس کو میری امت کے مردوں پر حرام کردیا۔

---

[۱] فقہ اسلامی میں جو مستثنیات اس سلسلہ میں مذکور ہیں وہ اپنی جگہ قابلِ مراجعت ہیں۔

علی ذکور امتی و احل لاناثہم (ترمذی) اور ان کی عورتوں پر حلال رکھا ہے۔

ونھانا عن سبع . . . وعن — نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات چیزوں کی ممانعت

لبس الحریر والاستبرق و — فرمادی (ان میں سے یہ بھی منع فرمایا) کہ ہم ریشمی لباس

الدیباج الخ (بخاری) — پہنیں اور مہین ریشم، موٹا ریشم، دیبا سب قسم کے ریشمی لباس کو منع فرمایا

اور عورتوں کے لئے اگرچہ اس کو جائز رکھا گیا کیونکہ تزین کے بارہ میں ان کو مردوں کے مقابلہ میں زیادہ وسعت عطا کی گئی ہے اور ان کی صنفی خصوصیت کے پیش نظر ان کے لئے اس قسم کی زینت کو حدود زینت سے متجاوز نہیں سمجھا گیا تاہم ان پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ سوتی لباس پہنیں یا ریشمی اس قدر باریک نہیں ہونا چاہئے کہ جس سے بدن کے قابل ستر حصے لباس کے اندر سے ظاہر ہو کر ننگے بدن سے بھی زیادہ جاذب نظر بننے کا باعث ہوتے ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ اس قسم کی زینت کا ثمرہ اور نتیجہ بداخلاقی کی نشوونما ہے اور یہ اس حد زینت سے متجاوز ہے جو با اخلاق شریفانہ زندگی کے لئے موجب سعادت ہے اور جس سے حیا میں اضافہ اور ستر بدن کا اور زیادہ تحفظ ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ اسماء بنت ابی بکر (رضی اللہ عنہا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس حالت میں حاضر ہوئیں کہ وہ باریک اور مہین لباس پہنے ہوئے تھیں آپ نے جو ان کو دیکھا تو فوراً منہ پھیر لیا اور اسی حالت میں ارشاد فرمایا۔

یا اسماء ان المراۃ اذا حاضت — اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لئے

لن یصلح ان یری منھا الا ھذا — ہرگز یہ درست نہیں ہے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ

وھذا واشار الی وجھہ وکفیہ۔ — بھی کھلا رہے الا یہ کہ چہرہ اور پہنچوں تک ہاتھ

(عن عائشہ لابی داؤد)۔ — (بحالت ضرورت) کھلے ہوں۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

رب کاسیات عاریات ۔ بہت سی عورتیں لباس پہنے ہوئے ہونے پر بھی ننگی ہی ہوتی ہیں

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے قریبی دور میں مسلم اور غیر مسلم عورتوں میں عہد جدید کی طرح اس طرح کا لباس فیشن میں داخل نہیں تھا کہ جو اس لئے نہیں پہنا جاتا کہ وہ بدن کے لئے ساتر ہو کیونکہ ستر آج کل کے فیشن میں ایک بے معنیٰ "لفظ" ہے بلکہ اس لئے پہنا جاتا ہے کہ اس ذریعہ سے حسن کی عریانی کو دو آتشہ بنایا جائے اور خالص عریانی سے زیادہ یہ نیم عریانی حسن کے لئے جاذب نظر ہے اس لئے بعض محدثین کو اس حدیث کے معنی سمجھنے میں بہت مشکل پیش آئی اور انھوں نے مشکل یہ فیصلہ کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ باریک کپڑے کا لباس نہ ہونا چاہئے مگر یورپین تہذیب کے موجودہ لباس کو پیش نظر رکھکر اس ارشاد گرامی کا مفہوم سمجھنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی اشکال نہیں پیدا ہوتا بلکہ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے نکلے ہوئے یہ جملے غالباً خصوصیت کے ساتھ آنے والے اسی دور کے لئے فرمائے گئے ہیں اور امت کی فلاح و بہبود پر نظر رکھنے والی دور رس نگاہیں اسی منظر کی شناعت سے آگاہ ہو کر اس حکم کا باعث بنی ہیں۔

(ج) ایسا لباس پہننا بھی ممنوع ہے جو قطع و برید میں بدن کے حصوں سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہو کیونکہ لباس کا یہ طریقہ اسراف اور تکبر و رعونت کے اصول پر ایجاد کیا گیا ہے۔ مثلاً عجمی بادشاہوں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنی شاہانہ رعونت و تمکنت اور حد سے بڑھی ہوئی فضولخرچیوں کے مختلف مظاہروں میں سے ایک مظاہرہ سے متعلق یہ کرتے تھے کہ ان کا شاہی "عبا" یا شاہی لباس اتنا طویل ہوتا تھا کہ جب بادشاہ یا بادشاہ بیگم اس لباس کو پہن کر چلتے تھے تو غلام، باندیاں یا خدام اور خواصین ان کے دامنوں کو پیچھے سے اور دا ہنے بائیں سے اٹھا کر ساتھ ساتھ چلتے تھے تاکہ وہ زمین پر گھسٹتا ہوا نہ رہے اور اس طرح میلا بھی نہ ہو۔ بادشاہ اور بیگم کے لئے بار بھی نہ بنے اور شاہی رعونت و کبر کا مظاہرہ بھی ہو سکے۔

چنانچہ اسی اصل کے پیش نظر اسلامی تمدن میں مردوں کو یہ ممانعت کی گئی ہے کہ ان کا پائجامہ

یا تہ بند خواہ کسی بھی وضع و قطع کا ہو، وہ برجس ہو یا پتلون، شلوار ہو یا مغلئی ٹخنوں سے نیچا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ اس میں اسراف بھی ہے اور شائبہ غرور و رعونت بھی۔ چنانچہ حدیث میں اس ممانعت کو صاف الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

عن العلاء بن عبد الرحمن عن ابیہ	عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدری سے دریافت
سألت ابا سعید عن الازار فقال	کیا کہ ازار (پائجامہ یا تہ بند) کے متعلق کیا حکم ہے؟
علی الخبیر سقطت قال صلی اللہ	انھوں نے فرمایا تو نے ایک باخبر انسان سے معلوم
علیہ وسلم ازرۃ المومن الی نصف	کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
الساق ولا حرج فیما بینہ وبین	مسلمان کا پائجامہ یا تہ بند نصف ساق تک ہے اور
الکعبین وما کان اسفل من	اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ ٹخنوں تک ہو
ذلک فھو فی النار ومن جر	اور اگر وہ ٹخنوں سے نیچا ہے تو جہنم کا حصہ ہے اور
ازارہ بطراً لم ینظر اللہ	جو شخص اپنے پائجامہ یا تہ بند کو شیخی سے ٹخنوں سے
الیہ یوم القیمۃ۔	نیچے لٹکاتا اور کھینچتا ہے تو ایسے شخص کی جانب خدائے تعالیٰ
(ابو داؤد)	نظر رحمت سے متوجہ نہ ہوگا۔
عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ	حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم قال: من جر ثوبہ خیلاء	وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص اپنے کپڑے کو (خواہ وہ
لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ	عبا، کرتہ یا پائجامہ یا چادر کچھ بھی ہو) تکبر سے لٹکاتا
فقال ابو بکر یا رسول اللہ	کھینچتا چلتا ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نظر رحمت
ان ازاری استرخی الا	سے اس کی جانب متوجہ نہ ہونگے یہ سن کر حضرت ابو بکر
ان اتعاھدہ فقال	رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ازار

انک لست ممن (پیٹ بھاری ہونے کی وجہ سے) نیچے ڈھلک جاتی ہے مگر یہ کہ
یفعله خیلاء۔ ہر وقت اس کی نگہداشت رکھوں۔ آپ نے فرمایا تیرا یہ معاملہ
(بخاری و مسلم) تکبر اور غرور کی وجہ سے نہیں ہے (بلکہ عذر کی وجہ سے ہے)۔

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس موقعہ پر کبر و غرور کا ذکر اظہار واقعہ کے طور پر ہے یعنی لباس کا یہ طریقہ متکبرین و مغرور انسانوں کی ایجاد اور مرغوبات میں سے ہے اس لئے "خیلا" کی قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے اگر کسی شخص کی نیت میں کبر و غرور یا شیخی نہ بھی ہو تب بھی ٹخنے سے نیچے تک پائجامہ، تہ بند یا عبا پہننا اس وعید میں داخل اور ممنوعات میں شامل ہے کیونکہ ایسا لباس متکبرین اور اصحاب مشیخت کا شعار ہے البتہ حضرت صدیق اکبرؓ کے سوال کے جواب نے یہ مسئلہ حل کر دیا کہ اگر کسی عذر کی بنا پر ازار یا عبا یا قمیص ٹخنے سے نیچے چلا جاتا ہے تو وہ قابل گرفت نہیں ہے۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس سلسلہ کی روایات میں لفظ "خیلاء" (غرور و شیخی) کا ذکر ہے اس لئے اگر جرِّ ازار کی غرض کبر، شیخی اور اسی قسم کی دوسری مذموم وجوہ ہیں تب تو یہ عمل ناجائز ہے ورنہ ممنوع نہیں ہے

پس اگر کوئی شخص اپنے لباس کو ٹخنوں سے نیچے تک پڑا رکھنا اس لئے ضروری سمجھتا ہے کہ یہ عہدِ حاضر کے فیشن میں شامل ہے اور اس کی خلاف ورزی مہذب سوسائٹی کے طرز کے خلاف غیر مہذب عمل ہے تو اس کا یہ عمل امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں کے نزدیک تمدنِ اسلامی کے احکام کی خلاف ورزی ہے اور اس کا عامل یقیناً گناہ کا مرتکب ہے کیونکہ اس صورت میں یہاں وہی جذبہ کارفرما ہے جس کو نبی معصوم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "خیلاء" سے تعبیر فرمایا ہے۔

(ج) اور عورتوں کے لئے چونکہ ٹخنے کا ڈھانکنا ستر میں شامل ہے لہذا ان کا لباس اگر قدموں کے لئے بھی ساتر ہے تو وہ قابلِ اعتراض نہیں ہے بلکہ مقصدِ ستر کو پورا کرتا ہے بلکہ اس حد سے آگے بڑھ کر اس قسم کا لباس جس کا ذکر سطور بالا میں شاہی لباس کے سلسلہ میں کیا گیا ہے عورتوں کے لئے بھی ممنوع ہے اور "اسراف"، "خیلاء" اور "لباسِ شہرت" میں داخل ہے۔ (باقی آئندہ)